Surah Nisa (Ayat 92-100)

Tadabbur Quran:

101: وَاِذَا ضَرَبۡتُمۡ فِی الۡاَرۡضِ فَلَیۡسَ عَلَیۡکُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَقۡصُرُوۡا مِنَ الصَّلٰوۃِ ۖ اِنۡ خِفۡتُمۡ اَنۡ یَّفۡتِنَکُمُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ؕ اِنَّ الۡکٰفِرِیۡنَ کَانُوۡا لَکُمۡ عَدُوًّا مُّبِیۡنًا ○

آگے کا مضمون۔ آیات 101 تا 104: آگے صلوۃ الخوف یعنی جنگ کے خطرات کے دوران نماز باجماعت کی شکل بتائی گئی ہے۔ جہاد کے اس ذکر کے ساتھ نماز، بالخصوص نماز باجماعت، کے اس اہتمام سے کوئی حقیقتیں سامنے آتی ہیں جن میں سے بعض کی طرف ہم اشارہ کریں گے۔

جہاد کی اصل روح نماز ہے: پہلی یہ کہ اس سے نماز کی دین میں عظمت و اہمیت واضح ہوتی ہے۔ اس سورۃ کی آیت 77 کے نماز اور جہاد کے باہمی ظاہر ظاہری و باطنی تعلق پر ہم گفتگو کر چکے ہیں۔ یہاں یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ نماز وہ چیز ہے کہ جنگ کے خطرات کے اندر بھی یہ نظر انداز نہیں کی جا سکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام میں جنگ، خونریزی اور لوٹ مار کے لیے نہیں ہے بلکہ جیسا کہ دوسرے مقامات میں واضح ہو چکا ہے، اس لیے ہے کہ خدا کی زمین سے اس ظلم و جبر کا خاتمہ کیا جائے جو اللہ کے بندوں کو اللہ کی بندگی سے روکنے کے لیے اللہ کے دشمنوں کی طرف سے برپا کیا جاتا ہے۔ اس پہلو سے غور کیجیے تو جہاد کی اصل روح نماز ہی ہے۔ اسی سے جہاد، اللہ کی عبادت بنتا ہے۔ اگر اس کے اندر یہ روح نہ ہو تو یہ بھی اسی طرح فساد فی الارض ہے جس طرح اللہ کے باغیوں کی ہر جنگ گساد فی الارض ہے۔ اس روح کے تحفظ کا یہ لازمی تقاضا ہے کہ عین میدان جنگ میں بھی تا حد امکان نماز سے غفلت نہ ہو تا کہ ہر مجاہد کو اس حقیقت کی ادد ہانی ہوتی رہے کہ اس کی میدان جنگ کی صفیں بھی اپنے اصل مقصد کے لحاظ سے اس کی نماز کی صفوں سے مختلف نہیں ہیں۔

نماز باجماعت کی اہمیت: دوسری یہ کہ اس سے نماز باجماعت کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ سورۃ بقرہ کی آیت 239 میں فان خفتم فرجالا اور کبانا الایۃ کے تحت یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ لڑائی کے دوران میں حالات بہت پر خطر ہوں۔ نماز اس کے آداب کے مطابق ادا کرنی ممکن نہ ہو تو سوار، پیادہ، کھڑے، بیٹھے، چلتے، بھاگتے جس طرح ممکن ہو ادا کرنے کی کوشش کی جائے، یہاں تک کہ قبلہ رو ہونے کی پابندی بھی ضروری نہیں ہے۔ لیکن ان سب رخصتوں کے ساتھ زیر بحث آیات سے یہ حقیقت بھی واضح ہو رہی ہے کہ اگر نماز باجماعت کا اہتمام ممکن ہو تو میدان جنگ

میں بھی اس کا اہتمام باقی رکھا جائے۔ چنانچہ اس کے لیے قرآن نے ایک ایسی شکل بیان فرمائی ہے جس سے نماز باجماعت کا مقصد بھی حاصل ہوتا ہے اور دفاع کا بھی۔

دفاع کی اہمیت : تیسری یہ کہ اس سے دفاع کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ اول تو یہی بات اس کی اہمیت کو واضح کرنے کے لیے کافی ہے کہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے نماز جیسی اہم عبادت میں تخفیف فرمادی۔ (یہ امر ملحوظ رہے کہ نماز میں قصر کی رخصت اصلاً سفر جہاد کے تعلق ہی سے نازل ہوئی ہے۔ دوسرے سفروں میں اس کی حیثیت اصل کی نہیں بلکہ، جیسا کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ایک ارشاد سے واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک صدقے کی سی ہے۔ ہم اس پر آگے بحث کریں گے)۔ دوسری یہ کہ نماز کی جو شکل بیان فرمائی ہے اس میں اس امر کا پورا اہتمام ملحوظ ہے کہ دشمن کو اس سے فائدہ اٹھا کر مسلمانوں پر حملہ کر دینے کا کوئی موقع نہ ملے۔ گویا اس مضمون جہاد کے آغاز میں مسلمانوں کو خذوا حذرکم (اپنے سامان دفاع سے لیس رہو) کا جو حکم دیا تھا تو اس کا اہتمام نماز میں بھی پوری طرح قائم رکھا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس دین فطرت میں توکل اور تدبیر، شجاعت اور حکمت، تہور اور احتیاط کا کیسا معتدل اور حسین امتزاج ہے کہ نماز بھی جہاد بن جاتی ہے۔

پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اقتداء کی اہمیت : چوتھی یہ کہ اس سے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اقتدا کے جذبے اور اس کی اہمیت کا اظہار ہوتا ہے۔ آگے ہم واضح کریں گے کہ نماز کی یہ خاص شکل جو یہاں بیان ہوئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ میدان جنگ میں نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی موجودگی کی صورت میں صحابہ کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ حضور نماز باجماعت کی امامت کرائیں اور کوئی مسلمان اس جماعت کی شرکت سے محروم رہنے پر راضی ہو۔ صحابہ کا یہ جذبہ چونکہ فطری تھا اور دین میں اس جذبے کی اہمیت بالکل واضح ہے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے نماز کی ایک ایسی شکل بیان فرمادی جس سے اس جذبے کی حوصلہ افزائی بھی ہو اور دفاع کے مقصد کو بھی کوئی نقصان نہ پہنچے۔ اس روشنی میں آگے کی آیات تلاوت فرمایئے۔

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ۭ اِنَّ الْکٰفِرِیْنَ کَانُوْا لَکُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا۔

نماز میں قصر کی اجازت دفاع کے تعلق سے : اوپر ہم اشارہ کر چکے ہیں کہ نماز میں قصر کی یہ اجازت خذوا حذرکم کے حکم کے تعلق سے نازل ہوئی۔ جب حکم ہوا کہ اپنے سامان دفاع سے لیس اور کفار کے مقابلے کے لیے مستعد رہو تو یہ سوال آپ سے آپ پیدا ہوا کہ اس حکم میں اور نماز میں تطبیق کی کیا صورت ہو گی۔ کیونکہ نماز کی حالت میں دفاع کے لوازم پورے نہیں ہو سکتے۔ اس کے لیے ایک تو نماز میں قصر کی اجازت ہوئی اور آگے کی آیات میں نماز باجماعت اور بیماری اور بارش وغیرہ کے حالات میں جو شکلیں اختیار کی جانی چاہئیں وہ بیان ہوئیں۔ قصر کی شکل جو نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور صحابہ کے عملی تواتر سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ جو نمازیں چار رکعت والی ہیں وہ دو رکعت پڑھی جائیں۔ مغرب اور فجر میں قصر نہیں ہے۔

قصر کی اجازت ایک رخصت ہے : فلیس علیکم جناح، کے الفاظ سے یہ بات نکلتی ہے کہ یہ قصر کی اجازت ایک قسم کی رخصت ہے۔ رخصتوں کے متعلق سورۃ بقرہ کی تفسیر میں، ایک مستقل فصل میں، ہم واضح کر چکے ہیں کہ ان سے فائدہ اٹھانے کو تقوی کے خلاف سمجھنا دین میں تشدد اور غلو کے رجحان کی غمازی کرتا ہے جس کو قرآن و حدیث دونوں میں مذموم ٹھہرایا گیا ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بات بھی غلو سے خالی نہیں قرار دی جاسکتی کہ کسی رخصت کو عزیمت اور وجوب کا درجہ دے دیا جائے یہاں تک کہ اس کی خلاف ورزی سے گناہ لازم آئے۔ اس باب میں تفصیل کے طالب مذکورہ فصل پر ضرور ایک نظر ڈال لیں۔

قصر کی اجازت سفر جہاد ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ قصر کی یہ اجازت اس میں شبہ نہیں ہے کہ نازل تو ہوئی ہے سفر جہاد ہی کے تعلق سے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ بس سفر جہاد ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ سفر کوئی بھی ہو اس میں فی الجملہ بے اطمینانی، آپا دھاپی اور سر و سامان کی فکر ہوتی ہی ہے۔ بس یہ فرق ہوتا ہے کہ کسی میں کم، کسی میں زیادہ، یہ عین ممکن ہے کہ جہاد کا ایک سفر زیادہ اطمینان سے گزر جائے اور تجارت یا حج کے سفر میں زیادہ الجھنیں پیش آجائیں۔ اس اشتراک علت کی وجہ سے دوسرے سفر بھی اصلاً نہ سہی تبعاً اسی حکم میں داخل ہیں۔ چنانچہ اسی بنیاد پر نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دوسرے قسم کے سفروں میں بھی قصر کی اجازت دی۔ خود بھی اس پر عمل فرمایا اور صحابہ نے بھی اس پر عمل کیا۔

یہ بات بھی یہاں ملحوظ رکھنے کی ہے کہ الفاظ یہاں واذا ضربتم فی الارض (جب تم سفر میں نکلو) کے استعمال ہوئے ہیں جو ہر سفر کے لیے عام ہیں۔ اس میں سفر جہاد کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ جہاد کے سفر کے لیے خاص لفظ اذا ضربتم فی سبیل اللہ (جب تم اللہ کی راہ میں نکلو) کا ہے جو آیت 94 میں گزر چکا ہے۔ اس وجہ سے الفاظ کا تقاضا یہی ہے کہ قصر کی اجازت ہر سفر کے لیے عام ہو رہی اس کے بعد ان خفتم کی شرط تو وہ صرف آیت کے موقع نزول کے اعتبار سے اس علت کو ظاہر کر رہی ہے جس کے سبب سے یہ اجازت مرحمت ہوئی۔ اس سے یہ بات تو ضرور نکلتی ہے کہ یہ رخصت بہر حال رخصت ہے جو حالات کے تابع ہے لیکن یہ بات نہیں نکلتی کہ یہ سفر جہاد ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ تقریباً یہی صورت تعدد ازواج والے مسئلے میں بھی ہے جس کی بحث سورۃ کے شروع میں گزر چکی ہے۔ اس پر بھی ایک نظر ڈال لیجیے۔

102: وَاِذَا كُنۡتَ فِيۡهِمۡ فَاَقَمۡتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلۡتَقُمۡ طَآئِفَةٌ مِّنۡهُمۡ مَّعَكَ وَلۡيَاۡخُذُوۡۤا اَسۡلِحَتَهُمۡ‌ۖ فَاِذَا سَجَدُوۡا فَلۡيَكُوۡنُوۡا مِنۡ وَّرَآئِكُمۡ‌ۖ وَلۡتَاۡتِ طَآئِفَةٌ اُخۡرٰى لَمۡ يُصَلُّوۡا فَلۡيُصَلُّوۡا مَعَكَ وَلۡيَاۡخُذُوۡا حِذۡرَهُمۡ وَاَسۡلِحَتَهُمۡ‌ۚ وَدَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَوۡ تَغۡفُلُوۡنَ عَنۡ اَسۡلِحَتِكُمۡ وَاَمۡتِعَتِكُمۡ فَيَمِيۡلُوۡنَ عَلَيۡكُمۡ مَّيۡلَةً وَّاحِدَةً‌ ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ اِنۡ كَانَ بِكُمۡ اَذًى مِّنۡ مَّطَرٍ اَوۡ كُنۡتُمۡ مَّرۡضٰۤى اَنۡ تَضَعُوۡۤا اَسۡلِحَتَكُمۡ‌ۚ وَخُذُوۡا حِذۡرَكُمۡ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابًا مُّهِيۡنًا ○

حذر کا مفہوم: لفظ حذر پر آیت 71 کے تحت گفتگو ہو چکی ہے۔ یہ لفظ جب تنہا استعمال ہو تو اس سے ہر قسم کے اسلحہ مراد ہو سکتے ہیں، خواہ مجرد دفاعی و حفاظتی نوعیت کے ہوں مثلاً سپر، خود اور زرہ وغیرہ یا جارحانہ نوعیت کے ہوں، مثلاً تلوار اور بندوق وغیرہ۔ لیکن جب لفظ اسلحہ، کے ساتھ استعمال ہو، جیسا کہ زیر بحث آیت میں ہے۔ ان تضعوا اسلحتکم وخذوا حذرکم (اپنے اسلحہ رکھ دو اور اپنے احتیاطی و حفاظتی سامان لیے رہو) تو اس سے مراد صرف وہی چیزیں ہوں گی جن کو ایک سپاہی اپنے دشمن سے بچاؤ کے لیے استعمال کرتا ہے۔

دفاع اور نماز باجماعت کے تقاضوں میں تطبیق جب کہ امامت پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرمائیں: اس آیت میں وہ شکل بیان ہوئی ہے جو نماز باجماعت کے لیے میدان جنگ میں اختیار کی جاسکتی ہے۔ میدانِ جنگ میں نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی موجودگی کی صورت میں ایک مشکل یہ پیدا ہونے کا امکان تھا کہ قیام جماعت کے امکان کی شکل میں جب حضور نماز کی امامت کے لیے کھڑے ہوتے، ہر سپاہی کی یہ آرزو ہوتی کہ وہ آپ ہی کی اقتدا میں نماز ادا کرے۔ یہ آرزو ایک فطری آرزو تھی جس کا لحاظ بھی ضروری تھا اور ساتھ ہی دفاعی تدبیروں کا اہتمام بھی ناگزیر تھا کہ دشمن مسلمانوں کی مصروفیت نماز سے فائدہ اٹھا کر اچانک کوئی حملہ نہ کر دے۔ یہ دونوں تقاضے ملحوظ رکھتے ہوئے قیام جماعت کی تدبیر یہ بتائی کہ ایک گروہ اسلحہ کے ساتھ امام کے پیچھے نماز کے لیے کھڑا ہو، دوسرا گروہ حفاظت کا فرض انجام دے، جب پہلا گروہ سجدہ کر چکے تو پیچھے ہٹ کر وہ حفاظت و نگرانی کا کام سنبھالے اور دوسرا گروہ، جس نے نماز نہیں پڑھی ہے، امام کے پیچھے اسی مسلح حالت میں نماز کے لیے کھڑا ہو۔

اس صورت میں نماز باجماعت کے قیام، نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اقتدا اور دفاع، تینوں کے تقاضے پورے ہو جاتے ہیں۔ لیکن مقتدیوں اور امام کی نماز کی رکعتوں کی تعداد کیا ہو گی؟ اس سوال کا جواب اس آیت سے پوری طرح واضح نہیں ہوتا جس کے سبب سے اس باب میں فقہا کی رائیں مختلف ہوئیں جس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں موجود ہے۔ ہمارے لیے یہ ساری تفصیل نہ یہاں پیش کرنے کی گنجائش ہی ہے اور نہ چنداں اس کی ضرورت ہی ہے اس لیے کہ یہ شکل، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، اس مشکل کے حل کرنے کے لیے بتائی گئی تھی جو نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی موجودگی کی صورت میں پیدا ہو سکتی تھی۔ حضور کے بعد کسی ایک ہی امام کی اقتدا کی خواہش نہ تو اتنی شدید ہو سکتی اور نہ اس کی اتنی اہمیت ہی ہے، اس وجہ سے دفاع کے تقاضوں کے مطابق اہل لشکر الگ الگ اماموں کی اقتدا میں نماز ادا کر سکتے ہیں۔

صلوۃ خوف کی شکل آیات 142 کی روشنی میں: آیت کے الفاظ سے جو بات نکلتی ہے وہ یہ ہے کہ امام قصر نماز دو رکعت ادا کرے اور مقتدیوں کے دونوں گروہ ایک ایک رکعت امام کے پیچھے اور ایک ایک رکعت بطور خود ادا کر کے اپنی نماز پوری کریں۔ امام دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہونے سے پہلے اتنا توقف کرے کہ پہلی جماعت اپنی دوسری رکعت اختصار کے ساتھ ختم کر کے پیچھے ہٹ سکے اور دوسری جماعت اس کی جگہ لے سکے۔ اس طرح مقتدی اور امام دونوں کی دو دو رکعتیں ہوں گی۔

بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ امام چار رکعت پڑھے گا اور مقتدیوں کے دونوں گروہ دو دو رکعتوں میں اس کی اقتدا کریں گے۔ اس صورت میں یہ بات کھٹکتی ہے کہ امام تو اتمام کرے گا اور مقتدی قصر کریں گے۔ حالانکہ قصر کی اجازت جس طرح مقتدیوں لیے ہے اسی طرح امام کے لیے بھی ہے۔ امام و مقتدی دونوں کے حالات بھی بعینہٖ ایک ہی طرح کے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں، امام دو رکعتیں ادا کرے گا اور مقتدیوں کے دونوں گوہ اس کے پیچھے ایک ایک رکعت ادا کر کے اپنی نماز ختم کر دیں گے۔ اس شکل میں مقتدیوں کی نماز صرف ایک رکعت کی ہو جاتی ہے حالانکہ قصر میں بھی کوئی نماز ایک رکعت نہیں ہے۔ ہمارے اس رجحان کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس طرح امام اور مقتدی دونوں کی نماز میں کامل توافق ہو گا، نیت کے اعتبار سے بھی اور ظاہر کے اعتبار سے بھی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ آیت میں فاذا سجدوا کے الفاظ سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ ایک رکعت مقتدیوں کو اپنے طور پر بھی ادا کرنی ہے۔ اگر یہ رکعت ادا نہ کرنی ہوتی یا امام کی اقتدا ہی میں ادا کرنی ہوتی تو فاذا سجدوا کی جگہ فاذا سجدت کے الفاظ ہوتے۔ اس امر کی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے کہ سجدہ در حقیقت رکعت کی تعبیر ہے اس لیے کہ رکعت سجدہ ہی سے پوری ہوتی ہے۔

اس خاص شکل کا تعلق نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی موجودگی سے تھا: اس اشارے پر ہم یہاں اکتفا کرتے ہیں۔ اس کی زیادہ تفصیل میں ہم اس لیے نہیں جانا چاہتے کہ ہمارے نزدیک باجماعت صلوۃ الخوف کی شکل لازماً ہر حالت میں اور ہر زمانے میں یہی نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق، جیسا کہ ہم نے عرض کیا، خاص نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی موجودگی سے تھا۔ آیت کے الفاظ میں خود اس کی تصریح موجود ہے، واذا کنت فیہم فاقمت لہم الصلوۃ، ظاہر ہے کہ یہ خطاب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہی سے ہے۔ آپ کو مخاطب کر کے ارشاد ہو رہا ہے کہ جب تم موجود ہو اور لوگوں کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہو تب یہ شکل اختیار کی جائے۔ آنحضرت کی موجودگی میں اس شکل کے اختیار کرنے کی ضرورت وہی تھی جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا کہ ہر شخص آپ کی اقتدا کا ثواب بھی حاصل کر سکے اور دفاع کے مقصد کو بھی کوئی نقصان نہ پہنچے۔ اس زمانے میں اول تو جنگ کی صورت ہی بالکل تبدیل ہو چکی ہے۔ دوسرے حضور کی موجودگی کا سوال بھی نہیں ہے۔ اس وجہ سے حالات کے تقاضے کے مطابق ایام جماعت کی جو شکل اختیار کی جائے وہ اختیار کی جا سکتی ہے اور اگر قیام جماعت کا امکان نہ ہو تو جس طرح ممکن ہو پڑھی جا سکتی ہے۔

وَدَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا الایۃ، یہ وجہ بیان ہوئی ہے حالت نماز میں اس شدت کے ساتھ دفاع کے اس اہتمام کی۔ اس سے یہ بات صاف واضح ہوتی ہے کہ اسلام میں احتیاط کے تقاضوں سے بے پرواہونے کی اجازت کسی حال میں نہیں ہے۔ یہاں تک کہ بیماری اور بارش وغیرہ کی تکلیف کے سبب سے اگر اسلحہ اتارنے کے لیے مجبور ہونا پڑے تو صرف اسلحہ اتار سکتا ہے۔ حذر، یعنی حفاظتی نوعیت کی چیزوں پھر بھی بے پرواہونے کی اجازت نہیں ہے اِنَّ اللّٰہَ اَعَدَّ لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَذَابًا مُّہِیۡنًا۔ آیت کے اس ٹکڑے میں یہ بات واضح فرمائی گئی ہے کہ ان کفار کی سرکوبی کے لیے جہاں تک تمہارا تعلق ہے تم پوری طرح مستعد رہو۔ ویسے اللہ نے تو ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر ہی رکھا ہے بات اہل ایمان کی حوصلہ افزائی کے لیے فرمائی گئی ہے۔

103: فَاِذَا قَضَیۡتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذۡکُرُوا اللّٰہَ قِیٰمًا وَّقُعُوۡدًا وَّعَلٰی جُنُوۡبِکُمۡ ۚ فَاِذَا اطۡمَاۡنَنۡتُمۡ فَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتۡ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ کِتٰبًا مَّوۡقُوۡتًا ○

قصر کی اجازت سے نماز کے ظاہر میں جو کمی واقع ہوئی تو نماز سے فراغ کے بعد اس کی اصل حقیقت۔ ذکر الٰہی۔ کے اہتمام میں زیادہ سرگرم ہونے کی ہدایت فرمائی تاکہ اس کسر کا جبر بھی ہو جائے اور دوام ذکر الٰہی، جو روح دین ہے، کی یاد دہانی بھی ہو جائے۔ بالخصوص میدان جنگ میں اس کی خاص اہمیت اس وجہ سے بھی ہے کہ تمام عزم و حوصلہ کا منبع درحقیقت اللہ تعالیٰ کی یاد ہی ہے۔ حالت خوف دور ہو جانے کے بعد جب حالت امن و اطمینان عود کر آئے تو معاً اقامتِ صلوۃ کا حکم بھی عود کر آئے گا۔ یعنی پوری نماز، جماعت اور وقت کی پابندی کے ساتھ ادا کرنی ہو گی۔ اس آیت سے ایک تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اوقات کی پابندی اقامت صلوۃ کے شرائط میں سے ہے۔ دوسری یہ بات نکلتی ہے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اہل ایمان پر جو کچھ فرض کیا ہے وہ عین اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ فریضہ ہے۔ یہ بات اس طرح نکلتی ہے کہ نمازوں کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ اوقات کے اہتمام کے ساتھ فرض ہیں۔ درآنحالیکہ اوقات نماز تمام تر نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مقرر کردہ ہیں، قرآن میں ان کی کوئی صراحت نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ کچھ اشارات ہیں۔

104: وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝

القوم " کا لفظ، جب اس سیاق و سباق میں آئے گا جس سیاق و سباق میں یہاں تو اس سے مراد دشمن اور حریف ہو گا۔ کلام عرب میں اس مخصوص " استعمال کی مثالیں بہت ہیں۔ قرآن میں بھی اس کی مثال موجود ہے۔ مثلاً ان یمسسکم قرح فقد مس القوم قرح مثلہ : اگر تمہیں کوئی چوٹ پہنچی تو کوئی تعجب کی بات نہیں، آخر دشمن کو بھی اسی طرح کی چوٹ پہنچی۔

ترغیب جہاد کے مضمون کی مزید تاکید : یہ اسی ترغیب جہاد کے مضمون کی تاکدی مزید ہے جو اوپر سے چلا آ رہا ہے بلکہ یہاں صلوۃ الخوف کا ذکر بھی، جیسا کہ ہم نے واضح کیا، اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اب یہ فرمایا کہ اگر تمہیں دشمن کے ہاتھوں کوئی نقصان پہنچ جائے تو اس سے بد دل ہو کر اس کے تعاقب میں تمہیں پست ہمت نہیں ہونا چاہیے۔ نقصان جس طرح تمہیں پہنچتا ہے انھیں بھی پہنچتا ہے۔ اس اعتبار سے تم اور وہ یکساں ہو، رہی عاقبت کار کی کامیابی تو اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، وہ سو فیصد تمہاری ہی ہے، اس میں ان کا سرے سے کوئی حصہ ہی نہیں ہے تو اس وقتی اور عارضی نقصان سے کیوں پست ہمت ہو۔ یاد رکھو کہ اللہ علیم و حکیم ہے۔ اگر وہ اپنی راہ میں جہاد کرنے والوں کو کسی آزمائش میں ڈالتا ہے، ان کو کوئی نقصان پہنچ جاتا ہے تو یہ چیز اس کے علم و حکمت کا تقاضا ہوتی ہے جس سے اہل ایمان کی اصلاح و تربیت مقصود ہوتی ہے۔

105-108: اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ۭ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَاۗىِٕنِيْنَ خَصِيْمًا ۝ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَھُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِــيْمًا ۝ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَھُوَ مَعَھُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ۝

آگے کا مضمون۔ آیات 105۔ 115: آگے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو خطاب کر کے یہ ہدایت فرمائی کہ اللہ نے تمہیں جو کتاب عطا فرمائی ہے اب یہی حق و باطل کی کسوٹی ہے، تم اسی کسوٹی پر پرکھ کے لوگوں کے ساتھ معاملہ کرو جو اس پر پورے اتریں وہ مومن و مخلص ہیں، جو اس پر کھوٹے ثابت ہوں وہ عہد شکن اور غدار ہیں، تم خدا کے حضور میں ان کے سفارشی اور وکیل نہ بنو۔ خدا ایسے بد عہدوں اور گناہ گاروں کو پسند نہیں کرتا۔ آیت 88 فما لکم فی المنافقین الایۃ میں جس بات کی طرف اجمالاً اشارہ فرمایا تھا اب یہ اس کی تفصیل آ گئی۔ وہاں یہ بات گزر چکی

ہے کہ مسلمانوں میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو اپنے دل میں منافقین کے لیے بڑا نرم گوشہ رکھتے تھے۔ وہ ان کو جا و بیجا رعایت دینے کی کوشش کرتے اور بسا اوقات ان معاملات میں بھی انھیں معذور ٹھہراتے جن میں معذور ٹھہرانے کی کوئی بھی گنجائش نہ ہوتی۔ یہ رویہ اگرچہ طبیعت کی نرمی ہی کی بنا پر ہو لیکن خدا کی کتاب جنہیں معذور نہ ٹھہراتی ہو انھیں معذور ٹھہرانا اور ان کی حمایت کرنا نفاق کو شہ دینے بلکہ اس کی پرورش کرنے کے ہم معنی ہے۔ چنانچہ یہاں سب سے پہلے خود پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اس چیز سے روکا۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف یہ خطاب اسی طرح کا ہے جس کی مثالیں ایک سے زیادہ اس کتاب میں گزر چکی ہیں اور ہم نے واضح کیا ہے کہ ان میں خطاب کا رخ تو حضور کی طرف ہوتا ہے لیکن جو عتاب ان میں مضمر ہوتا ہے اس کا رخ ان لوگوں کی طرف ہوتا ہے جو اس طرف ہوتا ہے لیکن جو عتاب ان میں مضرم ہوتا ہے اس کا رخ ان لوگوں کی طرف ہوتا ہے جو اس غلطی کے مرتکب ہو رہے ہوتے ہیں۔

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مخاطب کرنے کے بعد براہ راست ان منافقین کی حمایت کرنے والے مسلمانوں کو مخاطب کرنے کے بعد براہ راست ان منافقین کی حمایت کرنے والے مسلمانوں کو مخاطب کیا کہ اس دنیا میں تو تم ان کی حمایت کر رہے ہو لیکن آخرت میں ان کی حمایت کون کرے گا؟ اس کے بعد فرمایا کہ صحیح طریقہ نہ تو یہ ہے کہ اپنی غلطی کی حمایت کی جائے اور نہ یہ ہے کہ جب کسی پر گرفت ہو تو وہ اپنا بوجھ کسی دوسرے بے گناہ پر لادنے کی کوشش کرے، بلکہ توبہ و استغفار ہے۔ یہ تنبیہ اس لیے فرمائی گئی کہ منافقین اول تو انی کوئی غلطی تسلیم کرتے ہی نہیں تھے اور اگر کوئی غلطی اس طرح گرفت میں آ جاتی کہ اس کی ذمہ داری سے بچنے کی کوئی سبیل ان کو نظر ہی نہ آتی تو جھوٹ اور بہتان کے ذریعے سے اس کو کسی بے گناہ کے سر تھوپنے کی کوشش کرتے۔ اس کے بعد پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ محض اللہ کا فضل و احسان اور اس کی بخشی ہوئی کتاب و حکمت کی برکت ہے کہ ان منافقین کے فتنوں اور ان کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ رہے ورنہ انھوں نے تو تمہیں راہ حق سے ہٹانے کی کوشش میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ اس کے بعد منافقین کی مفسدانہ سرگرمیوں پر ان کو تنبیہ فرمائی ہے کہ جو لوگ حق واضح ہو جانے کے بعد رسول کی عداوت اور مسلمانوں کے طریقہ کی مخالفت میں یہ سرگرمیاں دکھا رہے ہیں ان کو اللہ اسی راہ پر موڑ دے گا جو انھوں نے اپنے لیے اختیار کی ہے، اور یہ راہ جہنم کی راہ ہے۔ اس روشنی میں آگے کی آیات کی تلاوت فرمایئے۔

105 108۔:

اراءت "کا مفہوم: اراءت کا لفظ قرآن میں اس وحی کے لیے بھی آیا ہے جو انبیاء (علیہم السلام) کو رویا میں ہوتی ہے جیسا کہ انفال آیت 43 " میں ہے اور اس رہنمائی کے لیے بھی آیا ہے جو وحی متلو کے ذریعے سے ہوتی ہے، جیسا کہ اس آیت میں ہے۔ اس لفظ کے معنی چونکہ دکھا دینے کے ہیں اس وجہ سے اس میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ پیغمبر کو وحی کے ذریعے سے جو رہنمائی ملتی ہے وہ گویا چشم سر سے حقائق کا مشاہدہ ہوتا ہے اس وجہ سے اس کے لیے اس سے ہٹ کر کوئی راہ اختیار کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ آگے آیت 113 میں بھی یہ مضمون آ رہا ہے۔

لفظ مجادلہ اچھے اور برے دونوں معنوں میں : مجادلہ کا لفظ قرآن میں اچھے اور برے دونوں معنوں میں آیا ہے۔ اس کے معنی مناظرہ، کٹ حجتی اور جھگڑنے کے بھی ہیں اور اعتماد و تدلل کی بنیاد پر کسی سے شکوہ کرنے اور اصرار و الحاح کے ساتھ کسی کے حق میں سفارش کرنے کے بھی ہیں۔ حضرت ابراہیم کا مجادلہ قوم لوط کے بارے میں اور سورۃ مجادلہ میں جس مجادلہ کا ذکر ہے وہ اسی نوع کا ہے۔

منافقت خود اپنے ضمیر سے خیانت ہے : اَلَّذِیۡنَ یَخۡتَانُوۡنَ اَنۡفُسَھُمۡ سے مراد منافقین ہیں جن کا ذکر خائنین کے لفظ سے ہوا ہے۔ خیانت اس بے وفائی اور غداری کے لیے ایک معروف لفظ ہے جو بیوی اپنے شوہر سے کرتی ہے۔ جس طرح ایک بے وفا عورت اپنے آپ کو حبالہ عقد میں تو کسی اور مرد کے دیتی ہے لیکن عشق کی پینگیں کسی اور کی طرف بڑھاتی ہے اسی طرح منافقین اطاعت و وفاداری کا عہد تو اللہ اور رسول سے کرتے ہیں لیکن دم دوسروں کا بھرتے ہیں۔ ان کی اس خیانت کی بابت ارشاد ہوا کہ یہ خود اپنے آپ سے خیانت کر رہے ہیں اس لیے کہ ان کی اس خیانت سے خدا اور رسول کا کچھ نہیں بگڑتا، بگڑتا انہی کا ہے لیکن ان کو نظر نہیں آتا۔ علاوہ ازیں اس میں یہ پہلو بھی ہے کہ یہ خود اپنے ضمیر کی نگاہوں میں مجرم ہیں۔ یہ جانتے ہیں کہ یہ سامنے کیا کر رہے ہیں اور پیٹھ پیچھے کیا کر رہے ہیں ایسے لوگوں کی وکالت کرنا " مدعی سست گواہ چست " کا مصداق بننا ہے۔

خطاب پیغمبر سے، عتاب دوسروں پر۔ ولا تکن، واستغفر اللہ اور ولا تجادل میں بظاہر خطاب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ہے لیکن اس میں عتاب کا رخ ان مسلمانوں کی طرف ہے جو منافقین کی حمایت کرتے تھے۔ اس طرح کے خطاب، جیسا کہ ہم اس کتاب میں متعدد مقامات میں واضح کر چکے ہیں، آں نخضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بحیثیت امت کے وکیل کے ہوتے ہیں۔ بات آپ کو مخاطب کر کے کہی جاتی ہے لیکن مقصود یہ ہوتا ہے کہ جو یہ حرکتیں کر رہے ہیں وہ ان سے باز آئیں۔ اس اسلوب میں یہ بلاغت بھی ہوتی ہے کہ ان لوگوں سے ایک قسم کی بے التفاتی و بے پروائی کا اظہار ہو جاتا ہے جن کو سرزنش مقصود ہوتی ہے۔ گویا وہ لائق خطاب نہیں اس وجہ سے اللہ نے اپنے رسول کو مخاطب کر کے جو بات فرمانی تھی وہ فرما دی۔ قرآن مجید میں اس طرح کے جو خطاب وارد ہوئے ہیں بالعموم کلام کے تدریجی ارتقا سے ان کا اصلی رخ بھی واضح ہو گیا کہ خطاب فی الحقیقت کن سے ہے۔ چنانچہ یہاں بھی آگے والی آیت ھٰاَنتم ھٰؤلاء جدالتم عنہ الایۃ نے واضح کر دیا ہے کہ اس میں اشارہ کن کی طرف ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الایۃ کے اسلوب میں اس حقیقت کا اظہار ہے کہ اللہ اور رسول اور مومنین کی پسند اور ناپسند کا معیار الگ الگ نہیں ہو سکتا۔ جن صفات و کردار کے لوگوں کو اللہ پسند نہیں کرتا، کس طرح ممکن ہے کہ رسول اور مومنین انھیں پسند کریں۔ اگر کچھ لوگ ایسے ہیں جو ایمان کا دعوی رکھتے ہیں اور ساتھ ہی ان لوگوں کو بھی پسند کرتے ہیں جو اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں تو وہ خود سوچ لیں کہ ان کی یہ بات کہاں تک پہنچتی ہے۔

اجزائے کلام کی وضاحت کے بعد آیات کا مدعا چنداں وضاحت طلب نہیں رہا۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے کتاب جو اتاری ہے حق کے ساتھ اتاری ہے، اس وجہ سے اب حق و باطل کے درمیان امتیاز کے لیے کسوٹی یہی ہے، اسی کسوٹی پر پرکھ کر تمہیں لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنا ہے کہ کون حق پر ہے کون بطال پر، کون مخلص ہے کون منافق۔ یہ اللہ کی دی ہوئی روشنی اور اس کی دکھائی ہوئی راہ ہے جس کے بعد تمہارے لیے بھٹکنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔ اس وجہ سے تم ان لوگوں کے حمایتی اور وکیل نہ بنو جو اللہ اور رسول سے بدعہدی اور خیانت کر رہے ہیں۔ تم اللہ سے مغفرت مانگو، اللہ بڑا غفور رحیم ہے۔ جو لوگ اللہ سے بدعہدی کر رہے ہیں وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ رہے ہیں بلکہ خود اپنے ہی نفس سے بدعہدی کر رہے اور اپنے ہی قلب و ضمیر کے مجرم ہیں۔ خدا ایسے بدعہدوں اور حق تلفوں کو پسند نہیں کرتا۔ تو جو خود اپنے ضمیر کی عدالت میں مجرم اور خدا کے مبغوض ہیں، ان کی مدافعت تم کیوں کرو؟ فرمایا کہ یہ انسانوں سے تو چھپتے ہیں اور چھپ چھپ کر اللہ و رسول کے خلاف سرگوشیاں کرتے ہیں لیکن اس اللہ سے کہاں چھپ سکتے ہیں جو اس وقت بھی ان کے ساتھ ہوتا ہے جب وہ اپنی ناپسندیدہ سرگوشیوں میں مصروف ہوتے ہیں۔ اللہ کا علم تو ہر چیز کو محیط ہے۔

ان منافقین کی درپردہ سازشوں اور سرگوشیوں کا ذکر اسی سورۃ کی آیت 81 میں بھی گزر چکا ہے۔ وہاں بھی دیکھیے۔ اس پر تفصیلی بحث انشاء اللہ سورۃ مجادلہ میں ہو گی۔

109: هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۣ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ○

109۔112:۔

ھا عربی میں کلمہ تنبیہ ہے اس پر دوسرے مقام میں بحث گزر چکی ہے۔ یہ جملہ کے شروع میں آتا ہے اور مقصود اس سے یہ ہوتا ہے کہ مخاطب کان کھول کر بات سنے۔ لفظ وکیل کے ساتھ جب علی ہو تو موقع کے لحاظ سے یہ تین معنوں میں آتا ہے۔ 1۔ مسؤل اور ذمہ دار کے معنی میں۔ مثلاً وما جعلناک علیہم حفیظا وما انت علیہم بوکیل : ہم نے تم کو ان پر نگران نہیں بنایا ہے اور تم ان کے ایمان کے باب میں مسؤل نہیں ہو (انعام : 107) ۔ 2۔ نگران کے معنی میں، مثلاً خالق کل شیء فاعبدوہ وھو علی کل شیء وکیل : وہ ہر چیز کا خالق ہے، پس اسی کی بندگی کرو اور وہی ہر چیز پر نگران ہے " 3۔ ضامن کے معنی میں۔ مثلاً ایما الاجلین قضیت فلا عدوان علی واللہ علی ما نقول وکیل : دونوں میں سے مدت بھی میں پوری کر دوں تو مجھ پر کوئی زیادتی نہیں ہو گی اور ہم جو قول و اقرار کر رہے ہیں اس پر اللہ ضامن ہے "۔ ظاہر ہے کہ امن من یکون علیہم وکیلا میں یہ پہلے معنی میں

ہے۔ یعنی آج تو ان کی حمایت کرنے والے ان کی حمایت میں لڑ جھگڑ سکتے ہیں لیکن قیامت کے دن جب خدائے علیم و خبیر کی عدالت میں ان کا مقدمہ پیش ہوگا تو ان کی طرف سے کون مسؤل اور جواب دہ بن کر کھڑا ہوگا، اس دن تو بہر حال انھیں خود ہی جواب دہی کرنی ہوگی۔

اب یہ بات سامنے کھل کر آ گئی کہ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو خطاب کر کے اوپر کی آیات میں کن کے رویے پر سرزنش کی گئی ہے۔ معلوم ہوا کہ مخاطب نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) شخصاً نہیں ہیں بلکہ مسلمانوں میں سے وہ لوگ ہیں جو وقتاً فوقتاً اپنے ذاتی تعلقات کی بنا پر منافقین حمایت میں آستینیں چڑھا لیتے اور ان کی صریح غلطیوں کے باوجود ان کی برئیت کے لیے کوئی نہ کوئی عذر تلاش کرنے کی کوشش کرتے۔ چنانچہ ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ لوگو، کان کھول کر سن لو کہ آج تو تم ان کی حمایت میں لڑ جھگڑ سکتے ہو لیکن کل جب خدا کے ہاں ان کی روبکاری ہوگی تو خدا سے ان کی مدافعت میں کون جھگڑے گا یا کون ان کی طرف سے مسؤل بنے گا۔ اس کے بعد فرمایا کہ خدا سے چھوٹنے کا راستہ یہ نہیں ہے کہ مجرم کی حمایت میں دوسرے پشت پناہ بن کر کھڑے ہوں بلکہ یہ ہے کہ اگر کسی سے کوئی برائی یا کسی ظلم نفس (شرک) کا ارتکاب ہو جائے تو وہ اللہ کی طرف رجوع کرے اور اس سے مغفرت مانگے، جو شخص خلوص کے ساتھ استغفار کرے گا وہ اللہ کو بخشنے والا اور مہربان پائے گا۔ خدا کے ہاں ایک کا بوجھ دوسرا نہیں اٹھائے گا، جو کسی گناہ کا مرتکب ہوگا اس کا وبال اسی پر آئے گا، اس لیے کہ خدا علیم بھی ہے اور حکیم بھی۔ اس کے علم اور اس کے عدل و حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ زید کا حساب بکر کے کھاتے میں نہ پڑنے پائے بلکہ ہر ایک اپنے عمل کا جواب وہ خود بنے۔

سازشی گروہوں کا ایک خاص حربہ: ومن یکسب خطیئۃ الایۃ، میں منافقین کی ایک اور شرارت سے پردہ اٹھایا کہ یہ لوگ اپنی کسی غلطی یا کسی حق تلفی پر جب گرفت میں آ جاتے ہیں تو اعتراف کے بجائے جھوٹ اور بہتان کی راہ اختیار کرتے ہیں اور اس کا بوجھ کسی بے گناہ پر لادنے کی کوشش کرتے ہیں۔ فرمایا کہ خدا سے برئیت کا یہ راستہ بھی غلط ہے۔ اس بہتان اور جھوٹ سے دنیا کو دھوکا دیا جا سکتا ہے، خدا کو دھوکا نہیں دیا جا سکتا۔ خدا کے ہاں ایسے مجرم نہ صرف اپنے جرم کا بوجھ اٹھائیں گے بلکہ اپنے اصل جرم پر بہتان اور جھوٹ کا بھی اضافہ کر لیں گے۔ یہ بات یہاں یاد رکھنی چاہیے کہ اوپر منافقین کی سازوں اور سرگوشیوں کا ذکر گزر چکا ہے۔ سازشی گروہوں کا خاص حربہ اپنے دفاع کے لیے یہی ہوتا ہے کہ جب وہ پکڑے جاتے ہیں تو اس کا الزام یا تو دوسرے بے گناہوں کے سر تھوپنے کی کوشش کرتے ہیں یا کم از کم ان کو بھی اس میں ملوث کرنے کے لیے بہتان طرازی کرتے ہیں تاکہ اپنا بار گناہ کچھ ہلکا کر لیں۔